جمالیات اور 'تاریخِ جمالیات': ایک مطالعہ

ڈاکٹر ظفر حسین ہرل*

Abstract:

A little is written on the subject of the theoretical aspect of aesthetics. During colonial era Mirza Sultan Ahmad , Majnun Gorakhpuri and M M Sharif presented their theories about aesthetics. In 1912 Mirza Sultan Ahmad wrote his book on fine arts that was not purely associated to aesthetics. In 1931 Majnun Gorakhpuri wrote Tareekh e Jamaliyat, a classic work concerning to contemporary theories of aesthetics with its traditional ideas. This article presents an analytical cram of Majnun Gorakhpuri Tareekh e Jamaliyat. In 20th century Karl Marx was the most significant thinker who also changed the long-established ideas of aesthetics. Majnun Gorakhpuri accepted the Marxist central postulates of aesthetics but interpreted it with his own rationalized mental attitude.

اردو تنقید میں نظری مباحث پر لکھنے کی روایت انیسویں صدی کے آخر سے شروع ہوئی، ادب کی شعریات کے متعلق مولانا حالی کا مقدمہ شعر و شاعری اس سلسلے کی بنیادی کڑی ہے۔ مرزا سلطان احمد نے ۱۹۱۲ء میں 'فنون لطیفہ' کے نام سے کتاب لکھی جس میں شاعری، مصوری، رقص، موسیقی اور سنگ تراشی کے علاوہ جمالیات جیسے فلسفیانہ موضوع پر بھی اختصار کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ نظری مباحث کی یہ روایت وقت کے ساتھ ترقی کرتی رہی۔ جمالیات کا ادب کے ساتھ براہ راست تعلق ہونے کے سبب اس کے متعلق مباحث پر مجنوں گورکھپوری نے ۱۹۳۱ء میں مقالہ تحریر کیا جس میں انہوں نے دو ہزار سال سے زیادہ عرصہ پر محیط روایت کا تجزیہ کرتے ہوئے اپنا

* شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

نظریہ جمالیات پیش کیا۔

ٹی۔ایس۔ایلیٹ (۱۸۸۸ء۔۱۹۶۵ء) مضمون 'روایت اور انفرادی صلاحیت' میں لکھتا ہے کہ روایت اپنے سے پہلی نسلوں کا اتباع کرنا نہیں بلکہ یہ اس سے زیادہ اہم ہے۔ یہ ورثہ کے طور پر بھی نہیں ملتی بلکہ اس کا حصول مسلسل محنت کے ذریعے ممکن ہے۔ تاریخی شعور کا ادراک ماضی کی ماضیت کو حال میں بامعنی بناتا ہے جس سے روایت کا نامیاتی نظام مرتب ہوتا ہے۔"(۱)۔روایت کی یہ تصور مروجہ تعریف (۲) سے زیادہ وسیع اور جامع ہے۔ اس کے ہاں روایت Tradition کے بجائے ایسی شعاعِ علم Ray of Knowledge ہے جو ماضی سے حال کی طرف مسلسل رواں ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ اہلِ علم وفکر اس میں اپنا کردار ادا کرتے جاتے ہیں۔ یوں یہ زیادہ سے زیادہ روشن اور واضح تر ہوتی چلی جا رہی ہے۔

علم وفکر اور اس سے متعلق موضوعات وسیع تر معنوں میں روایت کے اس تغیر پذیر پہلو کی پابندی کرتے ہیں۔مختلف علاقوں اور زمانوں میں فکری تبدیلیوں کو اپنے اندر سمیٹتے ہوئے شعاعِ علم یا علم کی رواں ندی Stream of Knowledge حال میں متشکل ہو کر معاصر فکر کو اپنے اندر جذب ہونے کی جگہ Space فراہم کرتی ہے جس سے علمی ترقی کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ صاحبانِ علم وفکر روایت کو علم کی رواں ندی Stream of Knowledge کے معنی میں لے کر معاصر فکر Episteme (۳) کے تناظر میں تجزیات سے گزار کر نئے نظریات کی بنیاد رکھتے ہیں۔عمومی طور پر یہ اصول تمام علوم اور فلسفہ پر خصوصی طور پر صادق آتا ہے۔خوب سے خوب تر کی جستجو کا مقولہ اس جگہ Space کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

زمانہ قدیم میں فلسفہ نے تمام مروجہ علوم کو اپنے اندر سمیٹ رکھا تھا۔بہتر ادراک کے لیے ان علوم کو فلسفہ سے الگ کر کے منفرد شاخوں میں تقسیم کیا جاتا رہا ہے۔آج فلسفہ صرف ان تین بنیادی موضوعات سے بحث کرتا ہے:

۱۔مابعد الطبیعیات Metaphysics ۲۔ایپسٹا مالوجی Epistemology

۳۔اگزیالوجی Axiology

اگزیالوجی کی مزید تقسیم Ethics اور جمالیات Aesthetics میں کی جاتی ہے۔ کچھ فلاسفہ کے نزدیک اگزیالوجی کے بجائے منطق Logic، Ethics اور Aesthetics تین الگ شاخیں پہلی دو کے ساتھ مل کر فلسفہ کو پانچ کونوں والے ستارے کی شکل دیتی ہیں۔اس ساری تقسیم سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ جمالیات فلسفہ کی بنیادی شاخ ہے۔ ول ڈیوراں (۱۸۸۵ء۔۱۹۸۱ء) نے اپنی کتاب Pleasure of Philosophy میں جمالیات کو نفسیات کا موضوع بتایا ہے۔ جمالیات کا تعلق فنونِ لطیفہ سے ہے اور ان نے لطف اور حظ کا حاصل ہونا انسانی دماغ سے متعلق ہوتا ہے اس لیے جمالیات کو فلسفہ کے بجائے نفسیات سے متعلق ہونا چاہیے۔اس کے مطابق

جن موضوعات پر عام مفکرین غور وغوض کے بعد نتائج نکالنے میں ناکام رہتے ہیں ان کو فلسفہ کے کھاتہ میں ڈال دیا جاتا ہے(۴)۔

اردو تنقید میں فلسفیانہ موضوعات پر کم لکھا گیا ہے اور جمالیات پر اور بھی کم۔ تاہم چند ایسے نام نظر آتے ہیں جنھوں نے جمالیات کے نظری مباحث کی اہمیت کے پیش نظر انگریزی کتب سے نہ صرف استفادہ کیا بلکہ اپنے مطالعے میں اردو دان طبقہ کو بھی شامل کیا۔ ان میں مجنوں گورکھپوری 'تاریخ جمالیات'، مرزا سلطان احمد 'فنون لطیفہ'، ریاض الحسن 'فلسفہ جمالیات'، میاں محمد شریف (۱۸۹۳ء۔۱۹۶۵ء) 'جمالیات کے نظریے'، نصیر احمد ناصر 'جمالیات و تاریخ جمالیات'، سید عابد علی عابد (۱۹۰۶ء۔۱۹۷۱ء) 'اصول انتقاد ادبیات' اور سعید احمد رفیق 'حقیقت حسن'، 'تاریخ جمالیات' خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان ناقدین نے جمالیات کے نظری مباحث سے متعلق مقدور بھر اہم کام سر انجام دیے۔ مجنوں گورکھپوری (۱۹۰۴ء۔۱۹۸۸ء) کو ان اولین ناقدین میں زمانی فوقیت حاصل ہے جنھوں نے ۱۹۳۱ء میں اس موضوع پر مقالہ قلم بند کیا۔ جس کو رسالہ 'ایوان' نے دو اقساط میں شائع کیا۔ ۱۹۳۵ء میں 'ایوان اشاعت' گورکھپور نے اس مقالہ کو پہلی بار 'تاریخ جمالیات' کی صورت میں شائع کیا۔ دوسری بار یہ کتاب انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ نے ۱۹۵۹ء میں لکھنؤ سے شائع کی (۵)۔ مرزا سلطان احمد نے 'فنون لطیفہ' ۱۹۱۲ء میں لکھی، لیکن یہ کتاب براہ راست جمالیات کے نظری مباحث کے بجائے فنون لطیفہ، زبان، شاعری اور ایسے دوسرے موضوعات سے متعلق ہے(۶)۔ مجنوں گورکھپوری کی 'تاریخ جمالیات' کو اس موضوع پر نظری مباحث کے متعلق اولیت حاصل ہے۔

جمالیات کے متعلق باقاعدہ نظری مباحث کی ابتدا افلاطون (۴۲۸ ق م۔۳۴۷ ق م) کے زمانے سے یونانی علوم کی نظم وترتیب کے ساتھ ہی شروع ہوئی اور آج جدلیاتی مادیت کے نتیجے میں مارکسی جمالیات پر معاصر ناقدین کی آراء مبسوط نظریہ سازی کی تگ ودو میں ہے۔ مجنوں گورکھپوری نے روایت کے اس سفر کو پانچ ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ جمالیات بحیثیت جداگانہ فلسفہ کے مغرب کی پیداوار ہے اس لیے تاریخی ارتقاء پر جو بھی تبصرہ ہوگا، وہ یونان سے شروع ہوگا اور وہ یورپ کے فکری ارتقاء تک ہی محدود ہوگا۔ روایت کے اس تجزیاتی مطالعہ سے قبل جمالیات کے علم کی حدود اور اصطلاحات کے تراجم کی تفصیلی بحث مقدمہ میں شامل ہے۔

انگریزی لفظ Aesthetics(۷) حس اور بالخصوص حس لطیف سے متعلقات کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اولاً ہیگل (۱۷۷۰ء۔۱۸۸۳ء) نے اس لفظ کو حسن اور فنون لطیفہ کے معنوں میں استعمال کیا تھا(۸)۔ جمالیات اس کا عربی ترجمہ ہے جس کو اردو میں قبول کر لیا گیا ہے۔ جمالیات حسن کے متعلق کوائف ومظاہر کے متعلق نظریات کا منظّم علم ہے۔ کوائف حسن سے مراد ماہیت حسن ہے اور مظاہر سے مراد جملہ فنون لطیفہ سمیت دوسرے سارے مظاہر ہیں۔ گویا جمالیات فلسفہ کے وہ نظریات ہیں جو حسن اور اس کے کوائف ومظاہر، جن میں فنون لطیفہ بھی شامل ہیں، کی تحقیق وتشریح میں پیش کیے گئے ہیں(۹)۔ فنون لطیفہ کے متعلق جمالیات کی بنیادی تعریف کی رو سے دو اہم سوال پیدا ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ حسن کیا ہے؟ دوم یہ کہ حسن کے انسانی مظہر یعنی فنکاری کے ساتھ اس تعلق کیا

ہے اور فنکاری کی غایت کیا ہے؟

'تاریخ جمالیات' میں مجنوں گورکھپوری نے منطقی انداز میں ان سوالوں کے جواب تلاش کرتے ہوئے ماقبل حکماء کی فکری روایت کو پرکھا ہے۔ فطری طور پر ذہن میں آتا ہے کہ ان حکماء نے ان سوالوں کو کس انداز میں دیکھا ہے۔ شاعروں (Poets)، صوفیوں (Mystics)، عقلیت پرستوں (Rationalists)، وجدانیت پر یقین رکھنے والوں (Intuitionalists)، تصوریوں (Idealist)، مادیوں (Materialists)، افادیوں (Pragmatists) اور اخلاقیوں (Moralists) نے جمالیات کے ان بنیادی مباحث پر کس کس پہلو سے روشنی ڈالی ہے۔ مجنوں گورکھپوری ان روایتی تصورات کو منطقی معیارات سے گزار کر اس سطح پر لائے ہیں کہ سابقہ نظریات کے حقیقی عناصر اور کمزور پہلو واضح ہو گئے ہیں۔ اس سے ان کو وہ جگہ Space میسر آئی ہے جو ہر روایت میں خلقی طور پر موجود رہتی ہے۔ انہوں نے جدلیاتی اصولوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اس میسر Space پر معاصر فکر کی روشنی میں اپنے نظریات کی بنیاد رکھی ہے جو کتاب کے آخری حصے میں جمالیات کے دونوں بنیادی سوالوں کے کامل جواب مہیا کرتے ہیں۔

جمالیات کے نظری مباحث کی پہلی اہم فصل یونان و روم میں جمالیات کے تدریجی ارتقاء کا دور ہے۔ جب ابتدائی طور پر مختلف مکاتیب فکر سے تعلق رکھنے والے حکماء حسن اور فنون لطیفہ سے سے متعلق اپنے نظریات مرتب کر رہے تھے۔ یونانی حکماء زندگی کا نصب العین تہذیب اخلاق اور تلاش حق میں ہی سمجھتے تھے۔ یہ سوچ سقراط (۴۷۰ق م۔۳۹۹ق م) کے زمانہ تک یونان کے فکری نظام پر حاوی رہی حتا کہ سقراط نے بھی حسن اور فنون لطیفہ کو افادی نقطہ نظر سے دیکھا (۱۰)۔ مجنوں گورکھپوری افلاطون کو جمالیات کا موجد مانتے ہیں جس کے ہاں پہلی بار باقاعدہ جمالیاتی مباحث نظر آتے ہیں۔ اس نے زندگی کے تمام مسائل کو مابعدالطبیعیاتی نقطہ نگاہ سے دیکھنے کی کوشش کی اور ان مسائل کا حل اسی سوچ کے زیر اثر نکالا۔ اس نے حسن کو زمان ومکاں کی حدود سے باہر ازلی اور غیر فانی تصورات یا امثال کی دنیا کی چیز جانا اور تصوریت (Idealism) کی نگاہ سے ہی جمالیات کی تشریح کی۔ افلاطون کے ان افکار کی ترویج سے ہی تصوف کے مسائل کا آغاز ہوا (۱۱)۔ مجنوں گورکھپوری نے افلاطون کے نظریات پر جو تنقیدی بحث کی ہے وہی دراصل آئندہ جمالیات کی ترقی کی بنیاد بنی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''افلاطون نے جو فلسفہ وجود مرتب کیا تھا اس میں بہت سے اہم سوالات حل نہ ہو سکے تھے۔ مثلاً اگر عالم تصورات کوئی اور ماورائی عالم ہے، اگر اس کا وجود کائنات سے کہیں پرے ہے، اگر عالم مادی سے تصورات بالکل الگ اور باہر ہیں، اگر مادہ بے جان، مجہول اور غیر متعین ہے تو پھر مادے پر تصورات کے اثرات کیسے مرتب ہوتے ہیں اور خارجی عالم یا نظام قدرت کیسے وجود میں آتا ہے؟ انسانی روح اور نفس کا کیا راز ہے اور اس کا جسم سے کیا تعلق ہے؟ عالم اجسام میں جو صورتیں بدلتی رہتی ہیں اور ترقی کرتی رہتی ہیں ان کی توجیہہ کیسے کی جائے؟''۔ (۱۲)

یہ سارے سوال اپنی جگہ پر نہایت اہم ہیں، اس لحاظ سے زیادہ اہم کہ بعد میں آنے والے حکماء نے ان کی روشنی میں اپنے نظریات کو مزید بہتر بنایا۔ ارسطو (۳۸۴ ق م ۔۳۲۲ ق م) نے اپنے استاد کی فکری کمزوریوں کو محسوس کیا اور جمالیات پر ایک مستقل تصنیف شعریات (Poetics) میں افلاطون کے اساسی مسلمات سے اتفاق کرتے ہوئے مدلل اور حکیمانہ نتائج نکالے اور فلسفہ جمالیات کو فن شاعری تک ہی محدود رکھا۔ اس نے حسن کو عقلی بنیادوں پر پرکھتے ہوئے 'المیہ' میں اعتدال یا اوسط سے کام لیتے ہوئے افراد کے اعمال اور ان کے مکافات، حوادث روزگار اور ان کے پہلو بہ پہلو مختلف اشخاص کے عروج و زوال اور رنج و راحت کی سچی تصویریں پیش کرنے کو کہا تا کہ خوف و ہراس، ہمدردی اور غیرت کا احساس پیدا ہو جس سے روح میں توازن، سنجیدگی اور بلند حوصلگی پیدا ہوتی ہے (۱۳)۔ یوں افلاطون کی رذیل نقالی اعلی درجے کی تخلیقی صلاحیت میں بدل گئی۔ مشائین کے ہاں ہمیں اسی عقلی رویے کی بازگشت نظر آتی ہے۔

ابیقوریت کی بنیاد حکمائے سائزینیہ نے رکھی اور ہستی کو سالمیات Atoms کی اتفاقی ترتیب و ترکیب سے تعبیر کیا۔ اس کا اصل شارح ابیقورس تھا جو ذہنی لذت کو حاصل حیات سمجھتا تھا، وہ روح کو بھی جسم کی طرح مادی گردانتا تھا۔ ابیقوریوں کے نزدیک جمالیات بھی حسیاتی ہے۔ ان کے نزدیک حسن نام ہے اس تناسب مادی کا جو ہمارے حواس کو بھلا معلوم ہو اور جس سے ہم لذت حاصل کر سکیں، فنون لطیفہ کا کام اس حسن کو پیدا کر کے ہم کو مسرور کرنا ہے (۱۴)۔ یہ گروہ ذہنی لذت سے گزر کر جسمانی لذت کی انتہا تک جا پہنچا جس سے معاشرت میں خرابیاں پیدا ہونا شروع ہوئیں۔ اسی دور میں اس ساری صورت حال کی اصلاح کا بیڑا رواقیوں (Stoics) نے اٹھایا۔ زینو Zeno نے قریب تین سو قبل مسیح ایتھنز میں اس مسلک کی بنیاد رکھی اور ہر فلسفیانہ مسئلہ کو اخلاقیات کی عینک سے دیکھا۔ رواقیوں کے نزدیک فنون لطیفہ کی اہمیت افادی فنون کے مقابلہ میں زیادہ نہ تھی بلکہ علم و حکمت کو اول درجہ دیتے تھے۔ اس مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے افلاطون اور ارسطو کے افکار سے بھی متاثر تھے لہذا فنون لطیفہ میں کے لیے حوصلہ افزا نہ تھے (۱۵)۔ رواقیوں کے بعد یونان میں اہل رائے فلسفی نظر نہیں آتے زیادہ تر نے اولین پر تنقیدی آراء مرتب کیں۔

روایت فلسفہ میں رواقیت کے بعد 'اشراقیت' اہم فکری دبستان نظر آتا ہے جب مذہبی تعلیمات کو افلاطونی افکار کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کی گئی۔ مذہب اور افلاطونیت میں مطابقت اور ہم آہنگی پیدا کرنے کی اس کوشش کے نتیجے میں 'حکمت الاشراق' کا نیا فلسفہ کائنات وجود میں آیا جس کا سب سے مشہور نمائندہ فلاطینوس مصری تھا۔ اہل اشراق قیاس و استدلال کے بجائے وجدان یا معرفت کے ذریعے حاصل کیے گئے علم کو علم حق کہتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اہل فن مادی مظاہر میں، عاشق انسانی صورت میں فلسفی عین حقیقت میں حقیقت الٰہیّہ کو دیکھتا ہے گویا مجاز حقیقت کا آئینہ ہے۔ حسن کو توازن و تناسب کے بجائے اہل اشراق نے لطیف کے کثیف پر، تصور کے مادہ پر، روح کے جسم پر اور خیر کے شر پر غالب ہونے میں ڈھونڈنے کی کوشش کی (۱۶)۔

'تاریخ جمالیات' کا دوسرا دور یورپ میں ازمنۂ وسطیٰ (Middle Ages) اور نشاۃ الثانیہ

(Renaissance) کے زمانے میں جمالیاتی فکر سے متعلق ہے۔اس زمانے میں اولاً فلسفہ افلاطون (حکمت اشراق) کے اثر سے تصوف کا زور رہا بعد میں ارسطو (مشائی فلسفہ) اور عیسائیت کی مطابقت کے نتیجے میں مدرسیت (Scholasticism) کا لیکن اس دور کے تین اصحاب ایسے ہیں جن کا ذکر ضروری ہے۔اول سینٹ آگسٹائن جو وحدۃ الوجود کا حامی تھا،اس نے ہر چیز میں حسن ازل کا پرتو دیکھا ہے۔دوم اسکوٹس اریجنا جس نے حسن حقیقی اور حسن غیر حقیقی پر زور دیا اور ہبوط آدم کے قصے کی نئی تعبیر دی۔تیسرے طامس اکوئناس جس کو تصوف سے دلچسپی تھی اس کے جمالیاتی افکار پر اشراقیت کا رنگ غالب ہے(۱۷)۔

مغرب کی علمی تاریخ میں چودہویں صدی عیسوی سے لیکر سترہویں صدی کے نصف تک کا زمانہ نشاۃ ثانیہ کہلاتا ہے۔یہ اضطراب و کشمکش کا دور ہے جب قدامت پسند عقلی علوم کو جبراً روکنے کی کوشش میں تھے۔لیکن دور اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں ایسے مفکرین پیدا ہوئے جنہوں نے کروچے جیسے جمالیاتی مفکر کے لیے بنیادی کام سرانجام دیے۔مجنوں گورکھپوری نے اس دور کا تفصیلاً جائزہ پیش کرنے کے لیے 'دور جدید کروچے سے پہلے' کے عنوان سے باب قائم کیا ہے۔

فلسفہ جدید کے بانیوں میں سے ایک فرانسس بیکن (۱۵۶۴ء۔۱۶۲۷ء) نے تجربات و مشاہدات کو انسانی علوم کا سب سے اہم ماٰخذ ثابت کر کے روایتی علمی بیانیہ (Discourse) کی سمت بدل دی۔فرانس میں بیکن کا ہم عصر رینے ڈیکارٹ (۱۵۹۶ء۔۱۶۵۰ء) بھی اسی کے نظریات کا ہی علم بردار تھا۔دونوں فنون لطیفہ کے مخالف اور شاعری کو عقل کے تابع رکھنے کی تلقین کرتے تھے(۱۸)۔ڈیکارت اور اس کے پیروؤں میں سے کسی بھی شخص نے فنون لطیفہ کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔اسکارڈ لینڈ میں متشکک ہیوم نے بھی جمالیاتی فلسفہ میں نئی اختراعات پیش کرنے کی کوشش کی لیکن کوئی درست اور واضح نظریہ نہ دے سکا۔اس کے فلسفہ لا ادریت نے تخریبی استدلال کے ذریعے انسانی علوم کو ہی ناقابل اعتبار بنا دیا۔اس کے ہم عصر جرمنی کا مفکر بام گارٹن (۱۷۱۴ء۔۱۷۷۲ء) نے فلسفہ جمالیات کی اہمیت کے پیش نظر باقاعدہ نظریات مرتب کیے۔اس کا خیال ہے کہ منطق اور جمالیات یعنی تعقل اور احساس دونوں عرفان کی صورتیں ہیں اور حقیقت اور حسن ایک ہی جوہر اولیٰ کے دو نام ہیں۔جب اس جوہر کا تعقل ہوتا ہے تو وہ حقیقت ہے اور جب احساس ہوتا ہے تو وہ حسن ہے۔مجنوں گورکھپوری لکھتے ہیں:

> ''حسن اور حقیقت دونوں کو ایک ہی جوہر اولیٰ کے دو نام سمجھتا ہے۔جب ہم کو اس کا احساس ہوتا ہے تو ہم اس کو حسن کہتے ہیں اور جب اُس کا تعقل ہوتا ہے تو حقیقت کہتے ہیں۔حسن و حقیقت دونوں نام ہیں ایک ترتیب و آہنگ کے۔آہنگ کے احساس کا نتیجہ جمالیات اور فنون لطیفہ ہیں،جب اسی آہنگ کا شعور ہم کو عقل و شعور کے ذریعہ ہوتا ہے تو اس سے حکمت و فلسفہ وجود میں آتے ہیں۔''(۱۹)

مجنوں گورکھپوری نے جس مفکر کے نظریات کو اہمیت دی ہے وہ اطالوی مفکر وائیکو (۱۶۶۸ء۔۱۷۴۴ء) (Vico) ہے۔جس نے افلاطون اور ارسطو کی غلطیوں کو اپنی کتاب 'حکمت جدید' میں بے نقاب کیا اور شاعری کو

مابعدالطبیعیات سے الگ کردیا ۔ اٹھارہویں صدی میں ونکل مان (Winckle Mann)اور لیسنگ (Lessing)دونوں نے فلسفہ اشراق کے تابع انفرادی حسن کو حسن کل کا جلوہ کہا۔جرمن فلاسفر کانٹ 'تنقید عقل نظری'اور 'تنقید عقل عملی' کے باعث معروف ہوا مگر اس کی کتاب 'تنقید قیاس' کا موضوع جمالیات ہے جو وائیکو کے مسائل کو سنجیدگی اور استقلال کے ساتھ حل کرنے کی کوشش کرتی ہے (۲۰)۔باؔم گارٹن، وائیکو اور کانٹ کے بعد جس مغربی مفکر نے جمالیات کو سب سے زیادہ متاثر کیا وہ کروچے (Croce) (۱۸۶۶ء۔۱۹۵۲ء) ہے۔'تاریخ جمالیات' کا چوتھا دور 'کروچے کا نظریہ جمالیات' کے نام سے ہے۔کروچے انسانی علوم کو وجدانی اور عقلی دو اقسام میں تقسیم کرتا ہے۔اس کے مطابق وجدانی علم 'جزیات' سے بحث کرتا ہے جبکہ عقلی علوم 'کل' سے متعلق ہیں۔کروچے کے نزدیک وجدان دراصل 'اظہار' کا دوسرا نام ہے۔اظہار صرف لفظوں کے ذریعے نہیں بلکہ ہر قسم کی صناعی وجدان کی صلاحیت سے ہی ممکن ہوتی ہے۔اس کے افکار کو خلاصہ کی شکل میں یوں لکھا جاسکتا ہے:

☆ فنکار نقل کی نقل کرتا ہے لیکن فطرت کو تخیلی صورت میں پیش کرتا ہے۔
☆ وجدان کے ذریعے مکمل اظہار ممکن ہے۔وجدان عقل کی اعانت سے بے نیاز ہے۔
☆ یہ تصور اور تعقل سے پہلے ہے اور وجدانی علم عقلی علم کا مآخذ ہے۔
☆ فنکاری کے لیے مواد اور صورت دونوں ضروری ہیں۔اس میں غائیت یا مقصد تلاش کرنا بے معنی ہے۔

مجنوں گورکھپوری لکھتے ہیں کہ کروچے کے نظریات میں تصوریت کی خامیاں اور کمزوریاں موجود ہونے کے باوجود زندگی کو تاریخی حقیقت بتانا اور اس کو تجرید سے باہر نکالنا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔وہ حقیقت کو روحانی شکل میں تسلیم کرتا ہے اگر وہ حقیقت کو بیک وقت روحانی اور مادی جان لیتا تو یقیناً بڑا مفکر ہوتا (۲۱)۔

سقراط و افلاطون سے ہیگل اور کروچے تک جتنے مفکرین گزرے ہیں وہ سب کسی نہ کسی پہلو سے تصوریت کے قائل ہیں اور جمالیات کو عالم بالا کی چیز سمجھتے رہے ہیں جس کے مطابق مادی دنیا محض التباس ہے جس کی کوئی حقیقت اور حرمت نہیں۔مصنف کے مطابق سقراط سے لے کر کروچے تک کے حکماء سب تصوریت کے قائل تھے جزوی فکری اختلاقات کے باوجود ان کے فلسفیانہ افکار تصوراتی تھے۔ان متصورین کے علاوہ انیسویں صدی سے پہلے جتنے 'مادئین' گزرے ہیں انہوں نے جمالیات کی طرف خاص توجہ نہیں دی۔اس تصوریت کے خلاف ردعمل کے بانی فریڈرک اینگلز (۱۸۲۰ء۔۱۸۹۵ء) اور کارل مارکس (۱۸۱۸ء۔۱۸۸۳ء) ہیں۔تاریخ جمالیات کا یہ اہم دور 'جدلیاتی مادیت اور جمالیات' کے نام سے شامل کتاب ہے۔مصنف کے مطابق یہی دور دراصل جمالیات کو زمینی حقائق کے قریب کرنے کا زمانہ ہے۔جدلیاتی مادیت کے نظریہ نے بیسویں صدی کے فکری منظرنامے کو سب سے زیادہ متاثر کیا جس کے نتیجہ میں انسان تمام فنون لطیفہ کا مرکز بن گیا۔ہیگل کے نزدیک حقیقت تصور ہے جو وجود سے پہلے ہے،اسی طرح شعور کو مادے پر، روح کو جسم پر اور فکر کو عمل پر تقدم حاصل ہے جب کہ مارکس اس کے برعکس سمجھتا تھا۔مجنوں گورکھپوری لکھتے ہیں:

''مارکس حقیقت کو مادہ بتاتا ہے۔ مادہ جامد نہیں ہے جیسا کہ اٹھارویں صدی کے مادئین نے سمجھ رکھا تھا۔ حرکت و نمود مادہ کی فطرت ہے۔ مارکس کا کہنا ہے کہ ہیگل کے نظامِ فکر میں جدلیات سر کے بل کھڑی ہے۔ اس نے اس غیر فطری ہیت کو درست کیا اور یہ کہ کر جدلیات کو اس کی ٹانگوں پر کھڑا کیا کہ اصل حقیقت مادہ ہے اور شعور اس کی ارتقائی صورت ہے۔ مادہ شعور سے، وجود تصور سے اور عمل فکر سے پہلے ہے۔ مادی وجود روز بروز ترقی کر رہا ہے اور انسان اپنی تمام قوتوں کے ساتھ اس کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور مہذب صورت ہے اور انسانی زندگی میں انسان کا شعور اور اس کے احساس و فکر کی تخلیقات اس وجود کی انتہائی تربیت یافتہ اور رچی ہوئی ہیتیں ہیں۔''(۲۲)

گو مارکس کے جدلیاتی مادیت یا تاریخی مادیت کا اصل سروکار معاشرتی اور معاشی واقعات وارتقاء ہے لیکن اس نے فنکاری کے نظریات کو بھی متاثر کیا ہے۔ مادی اسباب ماحول کو تشکیل دینے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ماحول کے یہ خارجی اسباب داخلی زندگی پر اثر انداز ہو کر تخیلی اکتسابات کو متشکل کرتے ہیں گویا فنون لطیفہ جدلیاتی مادیت کے دائرہ اختیار میں ہیں۔ مجنوں گورکھپوری نے اینگلز اور مارکس کے نظریات کا خلاصہ نہیں دیا بلکہ ان کی تشریح کرتے ہوئے بنیادی نقطہ نظر کی وضاحت کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اگر جدلیات کی اصل روشنی میں فن کاری کو دیکھا جائے تو چند حقیقتوں کو تسلیم کیے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ عام زندگی کی طرح فن کاری کے خمیر میں بھی دوئی اور تضاد ہے۔ فنکاری ایک ماحول سے پیدا ہوتی ہے اور دوسرا ماحول پیدا کرنے میں مدد دیتی ہے۔ وہ ماضی اور مستقبل دونوں سے وابستہ ہوتی ہے۔ اس میں جبر اور اختیار دونوں کی علامتیں پائی جاتی ہیں۔ اس کے اندر اجتماعی شعور اور نفرادی ارادہ دونوں یکساں طور پر کارفرما ہوتے ہیں۔ اس کا تعلق جماعت سے بھی ہوتا ہے اور ماورائے جماعت سے بھی! اس کی پیدائش اقتصادی محرکات سے ہوتی ہے، مگر آگے بڑھ کر وہ غیر اقتصادی ہو جاتی ہے۔''(۲۳)

جمالیات کے نظری مباحث کے تاریخی ارتقاء کے پانچ ادوار میں اس تجزیے کے بعد مصنف جس نتیجے پر پہنچے ہیں اس کا انہوں نے 'تبصرہ و تجزیہ' کا عنوان دیا ہے جو اپنی جگہ پر غور طلب ہے۔ عنوان سے یہ ظاہر ہے کہ انہوں نے کچھ نظریات کو بعینہ قبول کیا ہے اور کچھ کے بارے میں شکوک کا اظہار کرتے ہوئے نئے انداز میں تبدیلیوں کے ساتھ درست جانا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ابتدائی انسان نے خوف اور بھوک کے خلاف اپنے آپ کو متحد کر کے سماج کی بنیاد رکھی اور اجتماعی زندگی اور مشترکہ محنت کے نتیجے میں فنون لطیفہ ایجاد کیے جن کو زندگی کے مقاصد اور مطالبات کے ساتھ قدیم اور گہرا تعلق ہے اس کے باوجود فنکاری خلقی طور پر ثنویت کی حامل ہے۔ یہ واقعہ اور تخیل کا امتزاج ہے(۲۴)۔ مجنوں گورکھپوری لکھتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ ہمارے تجربات کی طرح حسن کا تجربہ بھی دو سمتی ہے۔ نہ یہ کہنا درست ہے کہ

> حسن کا وجود خارجی ہے اور نہ یہ دعویٰ درست ہے کہ حسن یک سر داخلی کیفیت ہے۔ حسن کا وجود بھی مطلق نہیں اضافی ہے [۲۵]۔ حسن، خیر اور حقیقت کے درمیان ہزاروں برس سے جو فرق بتایا جا رہا ہے وہ کوئی اصلی اور اساسی فرق نہیں ہے۔ وہ محض رخ اور زاویہ نظر کا فرق ہے۔ تینوں کی اصلیت ایک ہے جو افادی ہے۔ مگر ثقافتی ارتقاء اور تمدنی تاریخ کے ساتھ خود مفاد کا معیار بدلتا گیا ہے اور کثیف سے لطیف اور لطیف سے لطیف تر ہوتا گیا ہے۔'' (۲۶)

حسن کی ماہیت کے بارے میں کروچے اور اس سے قبل کے حکماء نے جتنے نظریات دیئے ہیں وہ حسن کو مادی دنیا کی بجائے ماورائی عالم کی جنس بتاتے ہیں، چونکہ انسانی شعور محدود ہے اس لیے اس لامحدود کو گرفت میں نہیں لاسکتا۔ مجنوں گورکھپوری اس بات کو رد کرتے ہوئے یہ سمجھتے ہیں کہ شعور بھی لامحدود ہے اس لیے حسن کی ماورائی کیفیت اس کے ادراک میں آسکتی ہے۔ حسن ماورائی عالم کے چیز ہوتے ہوئے مادی دنیا میں افادی جہت بھی رکھتا ہے۔ کارل مارکس نے حسن کی افادی جہت کو اہمیت دیتے ہوئے ہیگل کی جدلیات کو اپنی ٹانگوں پر کھڑا کرنے کی بات کی ہے۔ حسن کی یہ دونوں جہتیں بیک وقت ہم پر اپنے اثرات مرتب کرتی ہیں۔ فنکار حسن بین بصیرت اور لامحدود شعور کے سبب رموزِ حسن سے آگاہ ہوتا ہے اور تمام حسین مظاہر کے درمیان ازلی ربط اور فطری تعلق کو متعین کرتے ہوئے فن پارہ میں واقعہ کو تخیل کے امتزاج سے الوہی حسن عطا کرتا ہے جس سے فن پارے کی گرہ ہی ضرورت مخفی رہتی ہے اور ذوقِ سلیم مسرت و انبساط حاصل کرتا ہے۔

انجام کار مجنوں گورکھپوری اس بات سے متفق نظر آتے ہیں کہ حسن اور فنکاری نہ تو مکمل طور پر تصوراتی ہے اور نہ ہی مکمل طور پر افادی بلکہ دونوں کا ایسا حسین امتزاج ہے جو معاشرتی ترقی کے لیے لازم ہے۔ وہ مارکسی نظریات کے حق میں ہیں لیکن وہ مارکسی نظریات کی تشریح اپنے انداز میں کرتے ہیں۔ فنکاری میں افادی اور ذوقی دونوں عناصر باہم لازم و ملزوم ہیں، یہ ثنویت فنکاری کا بنیادی مزاج ہے۔ مادہ کی حرکت کائنات میں ازل سے موجود ہے اور یہی جدلیت کی اصل روح ہے، جدلیت اپنی حرکی قوت کے سبب ماضی کی بصیرت سے مستقبل میں جھانکتے ہوئے حال کو متشکل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ ٹی ایس ایلیٹ، بحوالہ ''ارسطو سے ایلیٹ تک''، مؤلف ومترجم: ڈاکٹر جمیل جالبی نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۰۳ء، طبع ہفتم، ص ۴۹۰

2. Tradition :A socially or culturally established , inherited or customary patron of thought, action or behavior. [Julian Wolfreys and others, 2006, Key Concepts in Literary Theory, Edinburgh University Press, P. 98]

3. The body of ideas that determine the knowledge that is intellectually certain at any particular time.

۴۔ ول ڈیوراں، بحوالہ ''نشاط فلسفہ''، مترجم، محمد اجمل، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۰۷ء، ص ۲۳۰

۵۔ مجنوں گورکھپوری، تاریخ جمالیات، انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ، باردوم، ۱۹۵۹ء، ص ۷

۶۔ سلطان احمد، مرزا، فنون لطیفہ، مکتبہ جمال، لاہور، باردوم، ۲۰۰۹ء،

7. Aesthetics(n)The branch of philosophy that studies the principles of beauty, especially in art. Oxford ALD,2010,7th Ed. Oxford University Press, UK.

۸۔ مجنوں گورکھپوری، ۱۹۵۹ء، ص ۱۱
۹۔ ایضاً، ص ۱۲
۱۰۔ ایضاً، ص ۲۳
۱۱۔ ایضاً، ص ۲۵
۱۲۔ ایضاً، ص ۲۶
۱۳۔ ایضاً، ص ۳۰
۱۴۔ ایضاً، ص ۳۳
۱۵۔ ایضاً، ص ۳۵
۱۶۔ ایضاً، ص ۳۷
۱۷۔ ایضاً، ص ۴۲
۱۸۔ ایضاً، ص ۴۵
۱۹۔ ایضاً، ص ۴۷
۲۰۔ ایضاً، ص ۵۳
۲۱۔ ایضاً، ص ۶۹
۲۲۔ ایضاً، ص ۷۵
۲۳۔ ایضاً، ص ۸۱
۲۴۔ ایضاً، ص ۸۷
۲۵۔ ایضاً، ص ۹۴
۲۶۔ ایضاً، ص ۹۶